© rasailojaraid.com

جناب محمد یونس میؤ صاحب
لیکچرار اسلامیات (ڈسکہ)

کیا پاکستان میں مغربی جمہوریت کا تجربہ کامیاب رہا؟

قبل ازیں کہ وطن عزیز میں مغربی جمہوریت کی کامیابی یا ناکامی کے بارے میں کچھ عرض کیا جائے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس اسلوب حکومت کے بارے میں چند معلومات کا اعادہ کرلیا جائے۔

جمہوریت لفظ تو عربی زبان کا ہے لیکن عربی سے زیادہ اب اردو میں مستعمل ہے۔ یہ ایک طرز حکومت ہے جسے عام طور پر آمریت کی ضد قرار دیا گیا ہے۔ مولانا حنیف ندوی اس لفظ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"جمہوریت یونانی لفظ (DEMOCRACY) سے نکلا ہے۔ جو دو اجزاء سے ترکیب پذیر ہے ایک جز کے معانی جمہور کے ہیں اور دوسرے جز کے معانی حکومت اور قانون کے۔ اس کے اصطلاحی معانی کا اطلاق ایسے اسلوب حکومت پر ہوتا ہے۔ جس میں عوام اور جمہور کی بڑی سے بڑی تعداد شریک ہو۔" (۱)

جمہوریت کی دو بڑی بڑی اقسام ہیں۔ یعنی بلاواسطہ جمہوریت (DIRECT DEMOCRACY) اور بالواسطہ جمہوریت (INDIRECT DEMOCRACY)۔ اول الذکر میں قوم کی مرضی کا اظہار براہ راست افراد کی رائے سے ہوتا ہے۔ ارباب جمہوریت کا کہنا ہے کہ جمہوریت کی یہ اولیٰ قسم قدیم یونان کی شہری مملکتوں میں موجود تھی۔ آج کل صرف سوئزرلینڈ کے چند شہروں میں اس کے آثار قدیمہ ملتے ہیں۔ اس نظام حکومت میں قوم کے تمام افراد ایک جگہ جمع ہو کر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ صرف اسی وقت ممکن ہے جب ریاست کا رقبہ بہت محدود ہو اور عوام کا سیاسی اور اخلاقی پایہ بہت بلند ہو۔ راقم الحروف کی رائے میں اس طرز کی حکومت صرف اسلام کے ابتدائی دور رسالت میں رائج تھی۔ جب انسانیت اپنی معراج کو پہنچ رہی تھی۔ غزوات اور معاہدات کے ضمن میں صحابہ کرامؓ سے حضور اکرمؐ کی مشاورت غالباً اسی ذیل میں آتی ہے۔ البتہ موخرالذکر بالواسطہ جمہوریت ہی وہ جدید مغربی جمہوریت ہے جو صدیوں سے اہل علم اور اہل سیاست کے زیر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بحث چلی آرہی ہے اور غالباً اسی کثرت خیال آرائی کی وجہ سے جمہوریت کے مفہوم میں قدرے ابہام پیدا ہوگیا ہے۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم بجا فرماتے ہیں۔

" جمہوریت بھی ان مبہم تصورات کی طرح ہے جن کے کوئی معانی متعین نہیں ہے۔ اس وقت دنیا میں ہر قوم یا جمہوریت کی خواہاں ہے اور اس کے حصول کے لئے کوشاں ہے۔ یا اس بات کی مدعی ہے کہ صحیح جمہوریت صرف ہمارے پاس ہے۔ اس کے علاوہ اور اقسام کی جمہوریت کے دعوے سب بے بنیاد اور محض ابلہ فریبی ہے۔" (۲)

یہی وجہ ہے کہ آج یہ فیصلہ کرنا بھی مشکل ہے کہ جمہوریت کی اصل تاریخ کہاں سے شروع ہوتی ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس کی بنیاد ۵۱۰ ق م میں روسیوں نے ڈالی تھی۔ (۳) جبکہ بعض محققین کا خیال ہے کہ یہ صدقہ جاریہ عظیم برطانیہ کا ہے۔ (۴)۔ ڈاکٹر خلیفہ جمہوریت کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" جمہوریت وہ نظام ہے جس میں اقتدار اعلیٰ نہ سلاطین کو حاصل ہے اور نہ امرا کے طبقے کو۔ حکومت کی باگ دوڑ نہ جاگیرداروں اور زمینداروں کے ہاتھ میں ہو اور نہ سرمایہ داروں اور کارخانہ داروں کے ہاتھ میں۔ مجلس آئین ساز میں جو نمائندے ہوں وہ آزادی سے عوام کے منتخب کردہ اہل الرائے ہوں" (۵)۔

قومی انگریزی اردو لغت میں جمہوریت کی تعریف ان الفاظ میں لکھی ہے۔

" وہ طرز حکومت جس میں اقتدار اعلیٰ کے مالک عوام ہوتے ہیں اور جس کا استعمال وہ خود یا ان کے منتخب نمائندے کرتے ہیں، وہ ملک جس میں ایسی حکومت قائم ہو، محدود معنوں میں ایسی ریاست جس میں اقتدار اعلیٰ عوام کے پاس ہو اور وہی براہ راست اس کا استعمال کرتے ہوں نہ کہ منتخب نمائندوں کے ذریعے، معاشرے کی وہ کیفیت جس کی خصوصیت حقوق و مراعات کی برائے نام مساوات ہو، سیاسی یا سماجی مساوات، جمہوری روح، کسی برادری کے عام لوگ بمقابلہ صاحب حیثیت لوگوں کے، عام لوگ اپنی سیاسی قوت کے لحاظ سے" (۶)

مولانا شبلی نعمانی ایک شخصی اور جمہوری حکومت میں خط امتیاز کھینچتے ہیں۔

" جمہوری اور شخصی حکومت میں جو چیز سب سے بڑھ کر مابہ الامتیاز ہے وہ عوام کی مداخلت اور عدم مداخلت ہے۔ یعنی حکومت میں جس قدر رعایا کو دخل دینے کا زیادہ حق حاصل ہوگا اسی قدر اس میں جمہوریت کا عنصر زیادہ ہوگا" (۷)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غالباً یہی وہ بات ہے جس کو ابراہام لنکن نے اپنی مشہور زمانہ تعریف جمہوریت میں کہی ہے۔ "عوام کی حکومت، عوام کیلئے اور عوام کے ذریعے"۔ ڈاکٹر ابوالفتح محمد صغیر الدین زیر بحث جمہوریت کے خدوخال بیان کرتے ہیں۔

"اس کے ظاہری خدوخال یہ ہیں کہ ایک پارلیمنٹ تشکیل دی جاتی ہے جو انتخابات کے ذریعے وجود میں آتی ہے۔ اس میں تمام بالغ حضرات و خواتین کی رائے شامل ہوتی ہے۔ اس کے ارکان امیدوار بن کر رائے دہندگان کے سامنے آتے ہیں اور جس نے سب سے زیادہ ووٹ حاصل کئے ہوں وہ کامیاب قرار پاکر پارلیمنٹ کارکن (ممبر) منتخب ہوجاتا ہے۔ یہ پارلیمنٹ ایک خود مختار ادارہ ہے جس میں قانون سازی کثرت رائے سے ہوتی ہے۔ اور اس میں کثرت رائے کے مطابق عمل کرنے پر سربراہ مملکت مجبور ہے۔ اور سربراہ کی سربراہی بھی ارکان پارلیمنٹ کی اکثریت کی رہین منت ہوتی ہے۔ یہ سربراہ اپنی صوابدید سے کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا۔ بلکہ ضرورت ہو نہ ہو ممبران سے مشورہ لینا ضروری ہوتا ہے۔" (۹)

پاکستان میں مغربی جمہوریت کا تجربہ

اگر ہم اپنے کمزور سیاسی اعصاب سے مغربی جمہوریت کی وزنی اور پھٹی پرانی قبا کو تھوڑی دیر کے لئے اتاریں، اپنے حواس درست کریں اور حقیقت کی دنیا میں سانس لینا سیکھیں اور جمہوریت کے محولہ بالا مفاہیم کو عملی شکل میں بشمول پاکستان دنیا بھر میں تلاش کریں تو ابراہام لنکن کی آخری امید (۱۰) اور جیفرسن (۱۱) کی انسانوں کی رائے کی احترام کرنے والی جمہوریت دنیا میں کہیں دکھائی نہیں دیتی۔ (۱۲)۔ پاکستان میں جمہوریت کی کامیابی تو بہت بعد کی بات ہے۔ کیا یورپ اور امریکہ وغیرہ ان کی جمہوریت کامیاب ہے یا کم ازکم کسی ایک ملک میں بھی مغرب کی پروردہ جمہوریت اپنے تمام تر لوازمات کے ہمراہ پائی بھی جاتی ہے؟ امریکہ جمہوریت کا سب سے بڑا علمبردار ہے اور وہاں صدارتی نظام نافذ ہے۔ امریکی انتظامیہ کا حاکم اعلیٰ صدر ہے۔ اس فرد واحد کو بے شمار اور وسیع انتظامی اختیارات حاصل ہیں۔ اختیارات کے اعتبار سے اسے دنیا کا سب سے بڑا بااختیار حاکم کہاجاتا ہے۔ وہ کانگرس کے سامنے اپنی پالیسی کے لئے ذمہ دار اور جواب دہ نہیں ہے۔ عام حالات میں وہ کسی بھی مسودہ قانون کو مسترد کرسکتا ہے۔ (۱۳)۔ ان اختیارات کا حامل انسان ڈکٹیٹر نہیں تو اور کیا ہے؟ اسے تو بجا طور پر عالمی ڈکٹیٹر کہا جاسکتا ہے۔ اب جبکہ پاکستان میں پارلیمانی جمہوریت ناکام دکھائی دیتی ہے، صدارتی نظام ہی خلافت راشدہ کے قریب ترین دکھائی دیتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ یہاں ایک اور سوال بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ خود امریکہ میں پارلیمانی طرز کا نظام حکومت کیوں نہیں ؟ اس کا جواب ایک امریکی دانشور ول ڈیورانٹ کی زبانی سنیئے۔

" ــــ ہم اتنے اصرار سے اپنے اعداء کو جمہوریت اختیار کرنے کی شہ دے رہے تھے ؟ نطشے اس رجحان کا ذکر کرتا ہے۔ " جو ہمسایہ حکومت کی جمہوریت کی پشت پناہی کرتا ہے کیونکہ یہ طرز حکومت قوم کو ناتواں بنا دیتی ہے اور اس سے جنگ کرنے کی اہلیت چھین لیتا ہے "۔ غالباً چونکہ جمہوریت نااہل، بداخلاق، کندذہن لوگوں کے ہاتھوں میں حکومت دے دیتی ہے، اسی لیے اطالیہ، ہسپانیہ، یونان، روس، پولینڈ اور پرتگال میں جمہوریت آمریت میں تبدیل ہوگیا ہے۔ اور شاید فرانس میں بھی یہی حالات پیدا ہوجائیں۔ ہماری حالت دیکھئے، سیاسی اصلاح کی تحریکیں شکست کھا گئی ہیں اور جہاں کہیں انہیں فتح ہوئی ہے وہ اس طرح کہ اصلاح، حکمران اقلیت کے ایما کے عین مطابق تھی۔ اوسط ذہن کامیاب ہوچکا ہے۔ ہر جگہ ذہانت جمہوریت سے پناہ مانگ رہی ہے۔ احمق لوگ انسانیت کے گھوڑے پر سواری کررہے ہیں "۔ (١٤)۔ اس اقتباس میں دو چیزیں لائق توجہ ہیں۔ ایک یہ کہ امریکہ اپنے دشمنوں کو جمہوریت پر مجبور کرتا ہے اور دوسری یہ کہ اس سے اس کا مقصد ان قوموں کو ناتواں اور کمزور بنانا ہے اس کا یہ تجربہ عربوں پر کامیاب رہا ہے۔ وہ اسلام دشمن اسرائیل کو جنگ اور طاقت کا راستہ دکھاتا ہے، جبکہ عربوں کو مذاکرات، معاہدات، احتجاجات کی سیاست سکھاتا ہے۔ یہی وہ جمہوریت ہے جس طرف جناب ول ڈیورائٹ نے بڑی صاف گوئی سے اشارہ کیا ہے۔ ذرا غور فرمائیں کیا یہ مہذب جمہوری قومیں دوسروں کی آزادی اور بنیادی انسانی حقوق کی پاسداری کررہی ہیں ؟ کیا امریکہ اور اس کے اتحادی دنیا کی سیاسیات میں دخل در معقولات کے مرتکب نہیں ہورہے۔ امریکیوں اور یہودیوں کی چیرہ دستیوں سے پورا عالم اسلام بلبلا رہا ہے یہ ظلم جسے سیاسی ظلم کہنا زیادہ مناسب ہوگا ان ملکوں کے عوام کرتے ہیں یا حکمران ؟ امریکہ وہ مہیب ہاتھی ہے جو کھانے اور دکھانے کے الگ الگ دانت رکھتا ہے۔ عوام امریکی صدر اور کانگرس کو بجا طور پر کہہ سکتے ہیں۔ " جو چاہا سو آپ کیا، ہم کو عبث بدنام کیا "۔ یہ جمہوریت صرف الفاظ، افکار اور تکرار میں ملتی ہے۔ افراد، اقوام اور ملکوں میں اس کے وجود اور روح کو تلاش کرنا بہت مشکل ہے۔ ڈاکٹر حنیفہ نے کیا خوب تبصرہ کیا ہے۔

" ـــ یورپ اور دیگر ممالک میں جو پارلیمانی حکومتیں قائم ہوئیں ان کا بھی یہی حال تھا کہ زیادہ تر ان میں سرمایہ داروں کی جنگ زرگری ہوتی تھی۔ مغربی جمہوریتوں کا عام طور پر یہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اندازہ ہے۔ محض علمی استعداد یا اخلاقی بلندی اور حق گوئی کی بنا پر کسی شخص کا پارلیمنٹ میں گھسنا ایک ناممکن سی بات ہے۔ (۱۵)۔ علامہ اقبال نے یہی بات اپنے مخصوص شعری انداز میں کہی ہے

گرمی گفتار اعضائے مجالس الاماں
یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگ زرگری (۱۶)

اس ربط میں مولانا سید ابوالاعلی مودودی کا تبصرہ بھی قابل ذکر ہے۔

" جمہوری حکومت جن خوشنما نظریات سے شروع ہوتی ہے، عمل کی سرحدمیں آکر وہ رخصت ہوجاتے ہیں، اور ان سب کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ مملکت کے باشندوں کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو حاکمیت سے عملاً محروم کرکے ان پر اپنی خواہشات مسلط کردے " (۱۷)۔

(۱۸)۔ کارلائل کا قول ہے "کہ جمہوریت اپنی نوعیت ہی میں تناقص بالذات ہے۔ اس کا نتیجہ صفر ہے" (۱۹)۔ جو شلیے جمہوریت پسند روسو نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ " صحیح جمہوریت نہ کبھی وجود میں آئی ہے نہ آئے گی " (۲۰)۔ افسوس فرانس کے مشہور فلسفی، شاعر، انشاپرداز اور بانی تحریک رومانیت نے اسلام کا نظام حکومت اور خلفائے راشدین کی تاریخ نہ پڑھی ورنہ وہ یہ بات کبھی نہ کہتا۔ دنیا میں اب مغربی جمہوریت ہے نہ حقیقی اسلامی جمہوریت، روح جمہوریت عرصہ ہوا پرواز کرچکی ہے۔ اقبال نے اسی روحانی زوال کے پس منظر میں جواب شکوہ میں فرمایا تھا۔

رہ گئی رسم اذاں، روح بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا، تلقین غزالی نہ رہی (۲۱)

تاہم آپ اگر اسی پر مصر ہیں اور اس لنگوٹی ہی کو جمہوریت کہتے ہیں تو تھوڑی دیر کیلئے آپ ہی کی بات مان لیتے ہیں لیکن پھر آپ اعتراض نہ کیجئے گا کہ صاحب۔ جمہوریت تو آئی ہی نہیں تو ناکامی کیسی کیونکہ جب اس حوالے سے بات چلتی ہے تو ہرتان اس فکر پر ٹوٹتی ہے کہ اب تک ہمارے ملک میں صحیح جمہوریت نافذ ہی نہیں ہوسکی۔ مولانا مودودی کا قول اوپر نقل ہوچکا ہے اب ایک اور فرمان ملاحظہ فرمائیں۔ "یہاں جو چیز ناکام ہوئی وہ جمہوریت تھی ہی نہیں " (۲۲)۔ چند لائنوں کے بعد بات کو اور زیادہ وضاحت سے بیان کرتے ہیں۔ یہ چیز یہاں کس روز قائم ہوئی تھی کہ اب اس کی ناکامی کا دعویٰ کیا جاتا ہے؟ یہاں تو جو چیز قائم ہوئی تھی وہ جمہوریت اور آمریت کی ایک ایسی آمیزش تھی جس کے اندر دونوں میں سے کسی ایک نظام کا حق بھی ادا نہیں ہو رہا تھا۔ اب اگر اس کے برے نتائج سامنے آگئے ہیں تو اسے جمہوریت کی ناکامی قرار دینا غلط ہے " (۲۳)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈاکٹر صفدر محمود کا بھی یہی خیال ہے۔

"یہ مفروضہ کہ جمہوریت پاکستان ناکام ہو چکی ہے، ہر اعتبار سے بے بنیاد ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ملک میں جمہوریت کو حقیقی معنوں میں کام کرنے کا موقع ہی نہیں دیا گیا" (۲۴) بعدازاں ڈاکٹر صاحب نے اس بیان کے حق میں بڑے جاندار دلائل دیئے ہیں جن سے کسی حد تک انکار ممکن نہیں ہے لیکن اصل سوال یہ ہے کہ یہاں 50 سال گزرنے کے باوجود جمہوریت نافذ کیوں نہیں کی جاسکی؟ جبکہ ہندوستان میں یہی نظام نسبتاً کامیابی سے چل رہا ہے اس کے باوجود کہ بھارت دنیا کا طویل ترین آئین رکھنے والی جمہوریہ ہے، اور کیا یہ ممکن ہے کہ وطن عزیز میں مغربی جمہوریت برگ وبار لائے گی؟ اس کا صاف صاف جواب یہی ہے کہ پہلے تو پاکستان کے مخصوص حالات کے پیش نظر اس کا کامیاب ہونا ناممکن ہے، اور اگر یہ امر محال واقع ہو بھی جائے تو اس سے ہمارے وہ مسائل حل نہیں ہوں گے جن کے پیش نظر ہم نے جمہوریت اپنے اوپر زبردستی مسلط کر رکھی ہے، نہ جانے ہم ایسا کیوں سوچتے ہیں کہ باہر سے آنے والی ہر چیز ہمارے لیے مفید ثابت ہوگی۔ ہر قوم اور ملک کی اپنی تاریخ، ثقافت اور ملی و مذہبی روایات ہوتی ہیں۔ کوئی ایسا نظام جو قوموں کے سرمایہ حیات سے متصادم ہو وہاں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اور پھر جس نظام میں خامیوں کی بھرمار بھی ہو۔ کسی بھی نظام کی کامیابی کیلئے دو چیزیں بہت ضروری ہوتی ہیں ان کے بغیر کبھی بھی کوئی نظام کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوسکتا۔ پہلی بات جو بنیادی ہے وہ یہ کہ وہ نظام اپنی مبادیات اور تشریحات میں کامل اور اکمل ہو جیسا کہ دین اسلام ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ان الدین عنداللہ الاسلام۔ (۲۵) الیوم اکملت لکم دینکم۔ (۲۶)

اللہ کے نزدیک مکمل اور پسندیدہ دین اسلام ہے، اور اس کی تشریحات کے عملی نمونہ کے بارے میں فرمایا "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ" (۲۷)۔

دوسری اہم شرط یہ ہے کہ اس نظام کو نافذ کرنے والی مجلسیاں اس نظام سے پوری طرح مخلص ہوں، جیسا کہ خلفائے راشدین اور صحابہ کرامؓ۔ قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی کامیابی کا راز یہی دو چیزیں تھیں۔ ہم نے پاکستان کی فلاح وبہبود کیلئے جو نظام منتخب کیا ہے وہ (مغربی جمہوریت) نہ تو اپنی تمام جہات میں اکمل ہے اور نہ اس کو نافذ کرنے والے ہی اس سے مخلص ہیں۔ پھر بھلا اس کی ناکامی کا کیا رونا، خاص طور پر اس وقت جب اس کے بانی اور متولی ہی اس کی اصل کے ناقص ہونے کی گواہی دیں۔ آئیے ہم ان ہی دو شرطوں کو آگے بڑھاتے ہوئے پاکستان میں مغربی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جمہوریت کی ناکامی کا جائزہ لیں ۔ یہ طرز حکومت اسلام کے سیاسی نظام سے مطابقت نہیں رکھتا مناسب ہوگا کہ یہاں اختصار کے ساتھ مغربی جمہوریت کے ان عناصر کو بیان کردیا جائے جن کی وجہ سے یہ پاکستانی عوام کیلئے ناقابل عمل اور ناقابل قبول ہے ۔

1۔ (ووٹرز) رائے دہندگان اور امیدواران کی اہلیت کا معیار :۔

مغربی جمہوریت میں سربراہ کا تقرر یا نمائندہ کے انتخاب کیلئے بالغ رائے دہی کا اصول کارفرما ہوتا ہے ۔ رائے دہندگان کیلئے کوئی اہلیت نہیں ۔ بجز اس کے کہ جو شخص 18 یا 21 کا ہوجائے وہ اپنا حق رائے دہی کسی بھی نمائندہ کے حق میں استعمال کرسکتا ہے ۔ اس ضمن میں عالم و جاہل ، نیک و بد ایک ہی حیثیت رکھتے ہیں ۔ دونوں کے ووٹ کی حیثیت یکساں ہے ۔ یہ بات نہ صرف تعلیم اسلام اور قرآن کے خلاف ہے بلکہ عام دنیاوی دستور کے بھی موافق نہیں ہے ۔ آپ فرمایئے اپنی امانتیں ایسے لوگوں کو سونپتے ہیں جن پر آپ کو اعتماد نہیں ہوتا ۔ ووٹ بھی ایک قومی امانت ہے ۔ اللہ اسے ایماندار اور اہل لوگوں کے حوالے کرنے کی ہدایت کرتا ہے ۔

(ان اللہ یامرکم ان تودوٗالامانات الیٰ اھلھا) (۲۸) اسی طرح نیک و بد کی رائے برابر نہیں ہوسکتی ۔ افمن کان مومناً کمن کان فاسقاً لایستوون " (۲۹) ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا !

" ھل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون " (۳۰) ۔ قرآن حکیم نے ایک دوسرے مقام پر عقل مند اور بے وقوف کا موازنہ ان الفاظ میں کیا ہے ۔ " قل لا یستوی الخبیث والطیب " (۳۲)

یہ بات کوئی محتاج بیان نہیں ہے کہ پاکستان کی حکومت اور عوام اپنے اپنے معاشی مسائل میں الجھے ہوئے ہیں ۔ عوام صرف یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے نمائندے ایسے لوگ ہوں جو ہمیں بھوکا نہ مرنے دیں ، ایک عام آدمی کو تو یہ سہولت بھی میسّر نہیں کہ وہ انتخاب لڑنے والی پارٹیوں کے منشور ہی پڑھ سکے ۔ ان حالات میں وہ ملک وقوم کو درپیش مسائل میں کیا رائے دے سکتا ہے ۔ امریکی فلسفی ول کاڈیورانٹ کا یہ قول ہمارے حال پہ کس قدر صادق آتا ہے ۔

" رائے دہندگان فون ، تیل ، لکڑی کے معاملات میں الجھا ہوا ہے وہ اپنے آپ کو ان ہزاروں مسائل سے کیونکر باخبر رکھ سکتا ہے جو اس کی جماعت ، انجمن یا ادارے کو درپیش ہیں ۔ وہ اپنی جماعت کے بارے میں سوالات کا صحیح جوابات نہیں دے سکتا ۔ کیونکہ وہ تو بے خبر ہے ۔ جمہوریت بے خبر لوگوں کی حکومت کا نام ہے " ۔ (۳۳) اس کے ساتھ ساتھ اس نظام میں ممبران

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پارلیمنٹ کیلئے بھی کوئی شرط عائد نہیں کی۔ ہر بلغ شہری جو ووٹ دے سکتا ہے ملک کا انتخاب بھی کرسکتا ہے۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ ہماری اسمبلیوں میں اکثریت ناخواندہ، جاگیرداروں، زمینداروں، سرمایہ داروں اور کارخانہ داروں کی ہوتی ہے۔ اور ان کی بے دینی اس پر مستزاد ہوتی ہے۔ تکلیف دہ امر یہ ہے کہ ہم ان ارباب حل وعقد کے سیاسی واخلاقی معیار سے واقف بھی ہوتے ہیں۔ لیکن نظام سیاست اور اپنے مخصوص مسائل کے زیر اثر ہم ان میں سے کسی کو اپنی تقدیر کا مالک بنانے پر مجبور ہوتے ہیں، جبکہ قرآن نے ایماندار اور صلح لوگوں کا حاکم بنانے کا اعلان کیا ہے۔

" وعداللہ الذین امنوامنکم وعملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض کمااستخلف الذین من قبلھم (۳۴) -

لیکن سیاسی جماعتوں کی موجودگی میں امیدواران کو کون دیکھے گا۔ یہاں فرد کے جماعت کو ووٹ ملتا ہے البتہ فرد کو ٹکٹ ملتا ہے۔ ان حالات میں نیک اور ایماندار لوگ اسمبلیوں تک رسائی حاصل کرسکتے ہیں؟، اور اگر دوچار ہوں بھی تو وہ مغلوب حیثیت میں اکثریت کے ہاتھوں غیر موثر ہوجاتے ہیں، پھر منتخب نمائندہ بھی وہی کرے گا جو پارٹی کا سربراہ کہے گا۔ فلور کراسنگ کے متعلق جو حال ہی قانون سازی ہوئی ہے اس نے پارٹی سربراہ کو فیصلہ کن قوت کا مالک بنا دیا ہے۔

2۔ اقتدار اعلیٰ کا تصور یا شرکت اقتدار کا فریب:۔

مغربی جمہوریت کی تعریف کی رو سے شرکت اقتدار کیا ہے۔ " سارے کا سارا اقتدار ہی عوام کا ہوتا ہے"۔ لیکن اس قول کی حقیقت کچھ بھی نہیں ہے۔ ووٹ کی پرچی ڈالنے کے بعد آپ اپنے کام سے فارغ ہوجاتے ہیں۔ بس آپ ملک وقوم کی ترقی میں اپنا حصہ ادا کرچکے۔ اب آپ بے بس ہیں اور اپنے جائز وناجائز کام کے لئے آپ اپنے نمائندے کے دست نگر اور مرھون منت ہوتے ہیں۔ حاکم وہ ہے یا آپ ؟ اسلام میں شرکت اقتدار کا مسئلہ پیدا ہی نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہاں حکم اللہ ہی کا چلتا ہے۔ " ان الحکم الا للہ " (۳۵) دوسری جگہ یہی بات کس قدر بہ صراحت بیان کی ہے۔

" یقولون ھل لنا من الامر من شئی ط قل ان الامر کلہ للہ " (۳۶)

قرآن پاک کی ایک آیت کا مفہوم ہے کہ اگر آسمان اور زمین میں چند معبود ہوتے تو زمین اور آسمان میں فساد پیدا ہوجاتا۔ اگر اسلام میں شرکت اقتدار کی گنجائش ہوتی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ سے بڑھ کر کوئی اسلامی احکام پر عمل کرنے والا نہیں۔ وہ سقیفہ بنی ساعدہ میں بعض صحابہ کرامؓ کی اس تجویز کو مان لیتے کہ ایک مہاجرین میں سے ہو اور ایک انصار میں سے ہو۔ دراصل کاروبار حکومت میں شرکت اقتدار سے زیادہ مشاورت، مداخلت اور تقسیم کار کے اصول زیادہ اہم ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلام میں امیرالمومنین حکمران نہیں بلکہ عوام کا محافظ اور خادم ہوتا ہے۔ اور عوام کو حکومتی امور میں پورا پورا حق حاصل ہوتا ہے۔ غالباً یہی حقیقی جمہوریت کی روح ہے۔ ابوبکر صدیقؓ نے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد اپنے اولین خطبہ میں فرمایا!

"آگاہ رہو کہ میں تو صرف ایک بشر ہوں اور تم میں سے کسی ایک سے بھی بہتر نہیں۔ لہذا میری رعایت کرو، جب مجھے دیکھو کہ راہ راست پر ہوں تو میری پیروی کرو اور اگر دیکھو کہ میں کج ہوگا تو سیدھا کردو" (۳۷)۔

حضرت عمر فاروقؓ سے مضبوط حکمران اسلام میں کوئی نہیں گزرا۔ امور سلطنت سے لیکر اپنی ذات تک امور میں عوام کی مداخلت کو ان کا آئینی اور سیاسی حق خیال کرتے تھے۔ ان کا دعویٰ احتساب کی بیسیوں مثالیں تاریخ میں موجود ہیں۔ ایک واقعہ بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔

ایک دفعہ یمنی چادریں آئیں۔ آپؓ نے سب کو ایک ایک چادر عنایت کی اور خود بھی ایک ہی چادر رکھی۔ وہ چادر آپ کے لئے نا کافی تھی، چنانچہ آپ کے بیٹے عبداللہ نے اپنی چادر بھی باپ کو دے دی۔ جب حضرت عمرؓ ان چادروں کا کرتا پہن کر منبر پر آئے تو حسب معمول کہا "اسمعوا واطیعوا" تو مجمع سے آواز آئی ہم نہ سنیں گے اور نہ مانیں گے۔ آپؓ منبر سے نیچے اتر آئے اور کہا ابوعبداللہ (سلمان فارسی) کیا بات ہے؟ کہا عمرؓ تم نے دنیاداری برتی ہے۔ تم نے ایک ایک چادر تقسیم کی تھی اور خود دو چادریں پہن کر آئے ہو اس پر آپؓ کے بیٹے عبداللہ نے وضاحت کی (۳۸)

مولانا شبلی نعمانی نے کسی جمہوری سلطنت کی اخیر حد یہ بیان کی ہے کہ مسند نشین حکومت کے ذاتی اختیارات بالکل فنا ہوجائیں اور وہ جماعت کا صرف ایک ممبر بن کر رہ جائے (۳۹)۔ حضرت عمر فاروقؓ نے یہ حد عبور کرلی تھی اور اسلامی جمہوریت کی روح کو کمال تک پہنچادیا تھا۔ بیت المال پر آپؓ کا بھی اتنا ہی حق تھا جتنا کہ ایک عام آدمی کا ہوسکتا ہے۔ اس لیے جب اپنے علاج کی غرض سے شہد کی ضرورت پڑی تو ایک کپا شہد کے لیے شوریٰ کا اجلاس طلب کیا۔ (۴۰)۔

ایک دفعہ مال غنیمت آیا تو صاحب زادی ام المومنین حضرت حفصہؓ کے سوال کے جواب میں فرمایا "جان پدر تراحق میرے ذاتی مال میں ہے۔ یہ تو مال غنیمت ہے تو نے اپنے باپ کو دھوکہ دینا چاہا" (۴۱)۔ اپنے بیٹے عبدالرحمن کو نبیذ پینے کے جرم میں حاکم مصر سے سزا دلوائی، ننگے پالان پر سوار مدینہ بلوایا، قید کردیا جہاں وہ وفات ہوگئے" (۴۲) زہد وفقر کی زندگی گزاری لیکن رعایا پروری میں کوئی آپ کا ثانی نہ ہوا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے تھے کہ عمرؓ نے اپنے جانشینوں کو بڑی مشکل میں ڈال دیا ہے۔ اپنے گورنروں کا احتساب بڑی سختی سے کرتے تھے۔ ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے مکانات ، اثاثہ جات ، اراضیات لے کر ملبوسات تک کی خبر رکھتے تھے ۔ (۴۳) ہر سال حج کے موقع پر کھلی کچہری لگتی اور تمام عاملوں کو عوام کے سامنے عدالت میں پیش کیا جاتا (۴۴)۔

آپ خود فرمائیے جس قوم کا جمہوری مزاج ، شرکت اقتدار ، مداخلت کار حکومت اور احتساب کا یہ عالم ہو وہ بھلا ایسی جمہوریت کو کیونکر منہ لگائے گی جس کے زیر اہتمام جمہوری حکمرانوں سے کسی عام آدمی کا ملنا بھی امر محال ہو ۔ جہاں انصاف نام کی کوئی چیز نہ ملتی ہو ، جہاں روزانہ سینکڑوں عصمتیں پامال ہوتی ہوں ، جہاں قتل وغارت روزانہ کا معمول بن جائے ، انصاف کیجئے کہ عوام کو جان ، مال اور آبرو کا تحفظ چاہیے یا خالی بے ثمر جمہوریت ؟ ایسا لگتا ہے کہ عوام نے سوچنا چھوڑ دیا ہے کہ ان پر کون حکومت کرتا ہے ، وہ تو صرف اخلاقی وسیاسی امن چاہتے ہیں ، معاشی آسودگی چاہتے ہیں ، یہ عوام کی دکھتی رگیں ہیں جن سے جمہوری سیاست دان خوب واقف ہیں ۔ ایک وہ اسلامی جمہوریت تھی جس میں فرات کے کنارے کتا بھی پیاسا نہیں مرتا تھا ۔ ایک یہ جمہوریت ہے جہاں فرات میں بے گوروکفن لاشیں اس کا منہ چڑاتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں ۔ سوچئے یہ مقام عبرت نہیں تو کیا ہے ؟

3 . جمہوریت کا یہ دعویٰ ہے کہ اس میں ہر شخص آزاد اور مساوی سمجھا جاتا ہے ۔ لیکن اگر ایسا بھی ہے تو ہر شخص کو آزادی ہونا چاہیے کہ وہ جو چاہے رائے دے اور پھر ہر شخص کی رائے پر عمل کیا جائے ۔ حالانکہ جمہوری حکومت میں جب کثرت رائے سے جب فیصلہ ہوجاتا ہے تو اس کے مطابق قانون بن جاتا ہے ، ارر اس پر عمل ان لوگوں کے لیے ضروری ہوتا ہے جو تعداد میں وقلیل ہوتے ہیں ۔ اور ہمارے ہاں تو یہ کثیر تعداد میں ہوتے ہیں ۔ پھر یہ کیسی آزادی ہے کہ لاکھوں ، کو پارلیمنٹ کا پابند بنادیا جاتا ہے ۔ اس لیے آزادی کا بعینہ فائدہ جمہوریت سے حاصل نہیں ہوتا ۔ بعض لوگ اس تصور آزادی سے ناجائز فائدہ ضرور اٹھاتے ہیں اور اس کا تعلق سیاسی شعور اور آگہی سے جاجوڑتے ہیں ۔ آجکل جرائم کی بھرمار اسی مادر پدر آزادی کا نتیجہ ہے ۔ اسلام میں آزادی کا تصور بالکل مختلف ہے ۔ اس میں آزادی حضورؐ کی سچی غلامی کا نام ہے ۔ جمہوریت جس چیز کو آزادی کہتی ہے وہ اسلام کی نگاہ میں غلامی ہے وہ اپنے نفس کی غلامی کے علاوہ سینکڑوں ، ھزاروں کی غلامی بھی ہے ۔ اقبال نے اس آزادی کو ایک دھوکہ سے زیادہ اہمیت نہیں دی ۔

ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام ۔۔۔ جس کے پردوں میں نہیں غیراز نوائے قیصری
دیوِ استبداد ، جمہوری قبا میں پائے کو ۔۔۔ تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری (۴۵)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

4۔ اسلام کو جمہوریت کے اس بنیادی اصول سے بھی اختلاف ہے کہ یہ اکثریت کی رائے کو واجب التسلیم قرار دیتی ہے۔ جس کے بیلٹ بکس (BALLET BOX) سے زیادہ ووٹ برآمد ہوئے وہی ملک کے قانون ساز اداروں کا ممبر منتخب ہوگیا، اور جس کے حق میں زیادہ ہاتھ اٹھ جائیں یعنی جسے ایوان کا اعتماد حاصل ہو وہ وزیر اعلیٰ یا وزیر اعظم منتخب ہوجاتا ہے۔ یہی وہ صورتحال ہے جس پر اقبال نے تنقید کی ہے۔

جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا جاتا ہے، تولا نہیں کرتے (۴۶)

یہ شعر ضرب کلیم کا ہے جو علامہ نے ۱۹۳۶ء میں مکمل کی۔ گویا یہ پختہ عمر کا کلام ہے جسے آپ نے دور حاضر کے خلاف اعلان جنگ سے تعبیر کیا ہے۔ اسی مفہوم کا ایک شعر پیام مشرق میں بھی ہے۔ یہ کتاب علامہ نے ۱۹۲۳ء میں گوئٹے کے "مغربی دیوان" کے جواب میں لکھی۔ (۴۷) شعر ملاحظہ فرمائیں

گریز از طرز جمہوری، غلام پختہ کارے شو
کہ از مغز دو صد خر فکر انسانے نمی آید (۴۸)

اعداد و شمار کی اس تسلسل میں قرآن حکیم کی یہ آیات ہمیں دعوت فکر دیتی ہیں۔

فمن ثقلت موازینہ فاؤلیک ھم المفلحون (۴۹) ومن خفت موازینہ فاؤلیک الذین خسروا (۵۰)

سورۃ القارعہ میں بھی یہی مضمون انہی الفاظ میں قلمبند کیا گیا ہے۔ غالباً جمہوریت پر یہ اعتراض قدیم ترین تصور کیا جاتا ہے۔ یونانی مصلح سقراط (369 - 399) کا اعتراض اب تک جمہوریت مخالفین کی خدمت کر رہا ہے۔ سقراط نے کہا تھا۔ "اس جمہوریت سے زیادہ مضحکہ خیز اور کیا چیز ہو سکتی ہے جس کی ناک میں ہجوم نے نکیل ڈال رکھی تھی۔ جہاں جذبات کا دور دورہ تھا، جہاں حکومت ایک مجلس مباحثہ تھی، جہاں فوج کے سپہ سالار بن سوچے سمجھے انتخاب، برخاست اور ہلاک کئے جاتے تھے، جہاں حروف تہجی کے اعتبار سے موٹی عقل رکھنے والے کسانوں اور تاجروں کو منتخب کر لیا جاتا تھا کہ سلطنت کی عدالت عالیہ کے ارکان کی حیثیت سے کام کریں"۔ (۵۱)

ول ڈیورانٹ نے بھی اپنی کتاب نشاط فلسفہ میں اسی اعتراض کو نقل کیا ہے۔

"جمہوریت جس نے انسان کو آزاد کرنے کی ٹھانی تھی، خود ایک کل بن گئی ہے۔ جس نے بے ذہن اجتماع کو رائے دہندگی کا حق عطا کیا۔ ان کلوں اور آلوں کے خلاف فرد کا احتجاج اس قدر بے سود تھا جتنا کہ مشرق میں اجتماع کی خلاف فرد کی آواز، حتیٰ کہ قائدین بھی کلوں کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تمنے بے جان اور بے روح اجزا بن گئے، جو اپنے فریب خوردہ پیروؤں کی طرح جنہیں انتخابات میں فقط گنا جاتا تھا، بے حس ہوکر رہ گئے''۔ (۵۲)

اس طرز جمہوری کے مقابلہ میں اسلام کثرت وقلت کی بجائے صحت واصابت رائے کا اعتبار کرتا ہے اگر اکثریت کی رائے کے واجب التسلیم ہونے کی کوئی دینی اہمیت ہوتی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ لشکر اسامہؓ اور مانعین زکوٰۃ کے معاملات میں حضرات صحابہ کرامؓ کی بات مان لیتے، لیکن تاریخ گواہ ہے کہ آپ نے وہ کیا جسے اسلام اور مسلمانوں کی عظمت ووقار کیلئے ضروری سمجھا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ امیر کے سامنے کسی بات کرنے ہی کی اجازت نہیں ہے اسلام میں مشاورت کی بڑی روشن تاریخ موجود ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔ ''وامرھم شوریٰ بینھم'' (۵۳)

سورۃ آل عمران جنگ احد میں نازل ہوئی جس میں حضورؐ کو تاکید کی گئی کہ آپ اپنے کاموں میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ کریں۔ ''وشاورھم فی الامر'' (۵۴)۔ لیکن سوال پھر وہی ہے کہ ان حالات میں مشیر کی اہلیت کیا ہونی چاہیئے۔ قرآن مجید اس سلسلہ میں بھی رہنمائی فرماتا ہے ''فاسلوا اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون'' (۵۵)۔ بات پھر وہی ہے کہ نہ ہر شخص امین ہوسکتا ہے نہ اہل الذکر۔ پس حکومتی امور میں ہر کس وناکس سے مشورہ نہیں کیا جاسکتا۔ پارلیمانی جمہوریت میں سربراہ مملکت پارلیمنٹ سے مشورہ کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ یہ الگ بات ہے یہاں اتنا بھی ضروری نہیں سمجھا جاتا۔ مشورہ سے پہلے باہم مشورہ کی روایت چلی آرہی ہے۔ اسلام میں یہ فرق ہے کہ امیر مشورہ تو کرے گا لیکن ضروری نہیں ہے کہ اس پر عمل بھی کرے۔ مثلاً صلح حدیبیہ کے موقع پر حضورؐ نے کسی سے مشورہ نہیں کیا۔ جنگ بدر میں قیدیوں کے بارے میں مشورہ کیا اور حضرت عمرؓ کی بجائے ابوبکرؓ کے مشورہ پر عمل کیا۔ غزوہ احد اور غزوہ خندق کے مواقع پر بھی مشورے ہوئے۔ اذان کی ترویج کے بارے میں مشورہ ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جمع قرآن کے بارے میں مشورہ کیا اور اکثریت کے خلاف کیا۔ حضرت عمرؓ کا قول مشہور ہے کہ خلافت مشورہ کے بغیر نہیں چل سکتی۔ آپ نے باقاعدہ ایک شوریٰ ترتیب دی ہے (۵۶) مختصر یہ کہ اسلام میں مشاورت بحث ومباحثہ کی ایک طویل تاریخ ہے۔ لیکن فیصلے کثرت وقلت سے بے نیاز ہوکر اسلام، مسلمان اور انسان کی فلاح میں ہوتے ہیں، جبکہ پارلیمنٹ میں حکمران پارٹی اپنی مرضی کے بل لاتی ہے۔ برائے نام بحث ہوتی ہے اور دونوں ایوانوں کی منظوری سے یہ بل قانون میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جب ایوان میں زمینداروں اور جاگیرداروں کی اکثریت ہوتی ہے تو زرعی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ٹیکس کی مخالفت ہوتی ہے اور جب کارخانہ داروں اور سرمایہ داروں کا طبقہ برسراقتدار آتا ہے تو صنعت اور انڈسٹری کو مراعات سے نوازا جاتا ہے۔ ان حالات میں جمہوریت پاکستان کے لوگوں کیلئے جن کی اکثریت غریب اور متوسط طبقات سے تعلق رکھتی ہے کوئی قابل فخر چیز نہیں رہ جاتی، اور بار بار کے تجربات نے عوام کی تمام خوش فہمیاں ختم کردی ہیں۔ یہ تھی جمہوریت کی مبادیات جن سے اسلام اتفاق نہیں کرتا اس نوع کے کچھ اور اختلافات مولانا حامدانصاری نے اپنی کتاب " اسلام کا نظام حکومت " (۵۷) میں بیان کیے ہیں۔ مزید تفصیل کیلئے مولانا عبدالرحمن کیلانی کی " خلافت و جمہوریت " (۵۸) ملاحظہ فرمائیں۔ مولانا مودودی کی " اسلامی ریاست " (۵۹) بھی اسی موضوع پر قابل ذکر کاوش ہے۔

مغربی مبصرین کا یہ کہنا بے جا نہیں ہے کہ مغربی جمہوریت کے ناکامی کے اسباب ہمارے ملک کے اساسی نظریئے یعنی اسلام میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ ڈاکٹر صفدر محمود نے اپنی کتاب "کیتھ لارڈ" کا بیان نقل کیا ہے۔

" اسلام ضابطۂ اختلافات کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا اور یہ کہ بہت سے مسلمانوں کے نزدیک اچھی ریاست کا تصور ایک مضبوط لیڈر اور اس کی قیادت میں اپنے مقصد کی لگن سے سرشار اور متحد قوم سے عبادت ہے " (۶۰)۔ کیتھ لارڈ کا یہ کہنا کہ اسلام حزب اختلاف کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اسلام میں نہ تو سیاسی پارٹیوں کا وہ رجحان ہے جو مغرب و مشرق میں جمہوریت کے زیر اثر پروان چڑھا اور نہ ہی حزب اختلاف کا معروف سیاسی واصطلاحی تصور۔ رہی بات حکومت پر تنقید اور مداخلت کی تو یہ بیان کیا جاچکا ہے کہ اسلامی حکمران کی حیثیت بھی ملک کے کسی ایک فرد سے زیادہ کچھ نہیں ہوتی۔ تبصرہ کا دوسرا حصہ بالکل درست ہے کہ مسلمان اپنے مرکز اور جماعت سے نہیں ٹوٹتے، اختلاف ہوسکتا ہے لیکن یہ امیر کی اطاعت کو منقطع کرنے والا نہیں ہوتا۔ حضرت عمر فاروقؓ اور خالد بن ولیدؓ کے اختلاف سے یہ بات بخوبی سمجھی جاسکتی ہے۔ بحث کے اس حصہ کے آخر میں کم ازکم اتنی بات کہی جاسکتی ہے کہ جمہوریت ہمارے مزاج کے خلاف نہ سہی، اسلامی مزاج کے خلاف تو ہے نا اور ابھی ہمارا عمومی مزاج اسلامی ہی ہے، اور اپنے اس خیال کی تائید میں تاریخ پاکستان سے دو مثالیں دے کر آگے بڑھتا ہوں۔ ڈاکٹر صفدر اپنے اس بیان کے تحفظ میں کہ جمہوریت پاکستانی عوام کی فطرت ثانیہ بن چکی ہے، تحریک قومی اتحاد ۱۹۷۷ء کے حوالے سے رقمطراز ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"تاریخ گواہ ہے کہ دنیا میں کسی ایسے ملک کی مثال نہیں ملتی جس کے عوام نے اپنے ووٹ کے تقدس کے تحفظ کی خاطر اتنی قیمتی جانوں اور املاک کا نذرانہ پیش کیا ہو جتنا پاکستان کے عوام نے ۱۹۷۷ء میں قومی اتحاد کی تحریک کے دوران پیش کیا۔ حقیقت میں یہ پاکستان کے اس عام شہری کی فتح تھی جو ہر قیمت پر جمہوریت کی بالادستی کا خواہاں ہے۔ کیا ایسی قوم کو جو اپنے ووٹ کے تقدس کا اس قدر شعور رکھتی ہے جمہوریت کے لیے نااہل قرار دینا ناانصافی ہے" (۶۱) اب یہ بات تو ہر خاص وعام کو معلوم ہے کہ ۱۹۷۷ء کی یہ تحریک نفاذ اسلام کی تحریک تھی اور مولانا مفتی محمود کی قیادت میں تمام مذہبی جماعتیں اس وقت کے جمہوری حکمرانوں کے خلاف صف آراء ہوئی تھیں۔ ڈاکٹر موصوف جیسے نقاد کو اسلام کی خاطر دی گئی قربانیوں کو جمہوریت کے کھاتے میں نہیں ڈالنا چاہئے تھا۔ دوسری مثال آج کی تاریخ سے ہے۔ موجودہ حکومت کو یہ مینڈیٹ بھی اسی جمہوریت پسند جماعت و حکومت کے خلاف نظام خلافت راشدہ کے وعدہ پر عنایت ہوا ہے۔ ارباب سیاست یہ جمہوری تماشا اسلام کے تبادلے میں کرتے ہیں۔ اس لیے عوام نے بار بار اسلام کی چاہت میں دھوکہ کھایا ہے نہ کہ جمہوریت کے عشق میں۔

سیاست دان اور حکمران:۔

پاکستان میں دوسری بڑی وجہ جسے مغربی جمہوریت کی ناکامی میں بیان کیا جاتا ہے وہ یہاں کے سیاستدان اور حکمران ہیں، اور غالباً ملک میں واحد یہ شعبہ ہے جس میں استثناء کی کوئی صورت دکھائی نہیں دیتی۔ یہاں یہ بات بھی لائق توجہ ہے کہ دنیا میں شاید ہی کوئی حکمران ایسا ہو کہ جس نے ملوکیت اور بادشاہت کے دعویٰ سے اقتدار کے مزے لوٹے ہوں۔ حتیٰ کہ مسولینی اور ہٹلر دونوں جمہوریت کے مدعی تھے۔ "کہ یہ بھی جمہوریت ہی ہے جو دوسری قسم کی جمہوریتوں پر فائق ہے" (۶۲)۔ چنانچہ کسقدر افسوس کی بات ہے کہ جو لوگ جس نظام کی مہربانی سے مسند اقتدار تک پہنچے۔ اپنے فعل و عمل سے شعوری اور لاشعوری طور پر اسی نظام کی جڑیں کھوکھلی کر رہے ہیں۔ جس تالی میں کھایا اسی میں چھید کر دیا۔ قائداعظم کو جمہوریت پر پختہ یقین تھا انہوں نے ۱۹۴۳ء میں فرمایا کہ جمہوریت ہمارے خون میں شامل ہے۔ یہ ہماری رگ رگ میں بسی ہوئی ہے لیکن یہ کونسی جمہوریت تھی۔ علامہ اقبال والی اسلامی روحانی جمہوریت ابراھام لنکن اور جیفرسن والی عوامی جمہوریت۔ اس کا جواب ہم قائد ہی کے الفاظ میں دیتے ہیں۔

"مسلمانوں کیلئے پروگرام تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے ان کے پاس تو تیرہ سو برس سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک مکمل پروگرام موجود ہے اور وہ قرآن پاک ہے ۔ قرآن پاک ہی میں ہماری اقتصادی ، تمدنی ومعاشرتی اصلاح وترقی کے علاوہ سیاسی پروگرام بھی موجود ہے ۔ اور اسی قانون الٰہی پر ایمان ہے " (۳۶)

ایک اور موقع پر فرمایا کہ قرآن کا سیاسی طریقہ کار نہ صرف مسلمانوں کے لیے بہترین ہے بلکہ غیر مسلموں کے لیے بھی سلوک اور آئینی حقوق کا بہترین تصور موجود ہے ۔ (۴۴) بہرحال قائداعظم پاکستان کے پہلے گورنر جنرل تھے اور آپ نے جمہوری اقدار کی پاسداری کرتے ہوئے مسلم لیگ کی صدارت سے استعفیٰ دے دیا تھا ۔ گویا آپ نے انتہائی خلوص سے ایک جمہوری روایت کی بنیاد رکھ دی ۔ لیکن بدقسمتی سے قائد کے سیاسی جانشین ان کی اعلیٰ جمہوری اقدار کو برقرار نہ رکھ سکے ۔ چنانچہ جناب لیاقت علی خان بیک وقت ملک کے وزیراعظم بھی تھے اور مسلم لیگ کے صدر بھی ۔ یاد کریں دور حاضر کی مسلم لیگ بھی اقتدار کی اسی مرکزیت پر دولخت ہوئی تھی ۔ ان صفحات میں پاکستان کی پچاس سالہ سیاسی تاریخ کا جائزہ تو نہیں لیا جاسکتا اور نہ ہی میرا مزاج ہے ، بہرحال چند باتوں کا اعادہ کرنا ضروری ہے تاکہ وطن عزیز میں جمہوریت کے ارتقاء پر کچھ نہ کچھ روشنی پڑ سکے ۔ ان پچاس سالوں میں سے تقریباً ۲۵ سال تو فوجی حکمرانوں کی بھینٹ چڑھ گئے ، لیکن اس سے پہلے بے چاری جمہوریت کے ساتھ ایک زیادتی یہ ہوئی کہ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۸ء تک عوام کو قومی انتخابات کا موقع نہیں دیا گیا ۔ پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ۱۹۷۰ء میں بالغ رائے دہی کی بنیاد پر عام انتخابات منعقد ہوئے ، جس کے نتیجہ میں پاکستان پیپلز پارٹی برسراقتدار آئی ۔ پاکستان میں کوئی پی پی پی سے زیادہ جمہوریت پسند ہونے کا دعویٰ نہیں کرتی ۔ یہاں تک کہ اس جماعت کے موجودہ قائد کا دعویٰ ہے کہ جب وہ اقتدار میں ہوتی ہیں تو جمہوریت ہوتی ہے اور جب ایوان اقتدار سے باہر تو ہر طرف آمریت ہی آمریت ہوتی ہے ۔ قائد جمہوریت ذوالفقار علی بھٹو مرحوم دسمبر ۱۹۷۱ء سے ۱۳ اگست ۱۹۷۳ تک ملک کے صدر رہے اور بعد ازاں ۱۴ اگست ۱۹۷۳ء تا ۱۹۷۷ء تک منتخب وزیراعظم کی حیثیت سے حکومت کرتے رہے ۔ ۱۹۷۳ء کا آئین بھی اسی حکومت کا کارنامہ ہے ۔ آئین کی منظوری کے بعد یہ عام خیال تھا کہ اب جمہوریت کو کوئی خطرہ نہیں ۔ مگر بدقسمتی سے ایسا نہ ہوسکا ۔

" سیاسی مصلحتوں کے پیش نظر آئین کو پس پشت ڈال دیا گیا ۔ اور یوں آئین اس پارٹی کے ہاتھوں پامال ہوکر رہ گیا جو اس کی تشکیل پر نازاں تھی " (۶۵) گویا " اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چراغ سے"

"جمہوری عمل کے نتیجے میں برسراقتدار آنے والی جماعت نے جمہوری روایات اور سیاسی اداروں کو پنپنے کی اجازت نہ دی" (۶۶) پی پی پی کی جمہوری حکومت اپنے اقتدار کی بقاء کے لیے غیر جمہوری ہتھکنڈوں پر اتر آئی اور یوں ایک سیاسی ڈکٹیٹر شپ کی شکل اختیار کر گئی" (۶۷)۔

جناب عالی! ضیاء الحق تو ڈکٹیٹر تھا، آمر تھا، مطلق العنان بادشاہ تھا جو آپ کہیں وہ سب کچھ تھا، لیکن بھٹو تو جمہوریت پسند تھے، جمہوریت کے بانی تھے، جمہوری ملکوں کے تعلیم یافتہ تھے، جمہوری حکمرانوں کے تربیت یافتہ تھے اور ایک جمہوری عمل کی پیداوار تھے پھر انہوں نے جمہوری طرز عمل کیوں نہ اپنایا؟ آپ کو میری بات کا یقین نہیں ہے تو معروف دانشور ڈاکٹر صفدر محمود کی بات سنیے۔ "... ان کے دور حکومت کا آغاز بہت سے توقعات اور آرزوؤں کے ساتھ ہوا لیکن یہ بات بہت جلد واضح ہوگئی کہ ان کے قول و فعل میں بہت بڑا تضاد ہے۔ مغرب کی تعلیم کے باوجود وہ جاگیردارانہ جمہوریت پر عمل کرتے تھے۔" (۶۸) یہ شاید مغربی جمہوری تعلیم ہی کا نتیجہ تھا کہ مرحوم نے اپنی ساری زندگی اپنی پارٹی کے انتخابات نہ ہونے دیئے اور نامزدگیوں کے ذریعے پارٹی چلاتے رہے (۶۹)۔ ۱۹۷۷ء میں روایتی زمینداروں، وڈیروں اور سجادہ نشینوں کو پارٹی ٹکٹ دیئے جس سے پارٹی کی جمہوری روح مرگئی ہے۔ (۷۰) لیکن پارٹی ابھی تک زندہ ہے اور کچھ دنوں پہلے برسراقتدار تھی۔ ۱۹۷۷ء کے انتخابات میں وسیع پیمانے پر دھاندلی ہوئی جس کے نتیجے میں قومی اتحاد کی تحریک نے جنم لیا اور پھر ملک مارشل لاء کی گود میں جاگرا۔ صدر ضیاء الحق کی وفات کے بعد سینٹ کے چیئرمین غلام اسحاق خان نے صدر پاکستان کا عہدہ سنبھال لیا اور ضیاء الحق مرحوم کے اعلان کے مطابق نومبر ۱۹۸۸ء میں انتخابات ہوئے، جس کے نتیجہ میں ۲ دسمبر ۱۹۸۸ء کو بینظیر بھٹو پہلی خاتون وزیراعظم کی حیثیت سے حلف اٹھایا۔ اب یکے بعد دیگرے پی پی پی اور مسلم لیگ اس ملک کی حکمران ہیں۔ دونوں پارٹیاں جمہوریت پر یقین رکھتی ہیں، دونوں عوام کے بنیادی حقوق کی علمبردار ہیں۔ اب جبکہ مسلم لیگ ملک کی سیاہ وسفید کی مالک ہے اور مرکز کے علاوہ صوبوں میں بھی اس کی حکومت ہے تو گویا ملک میں پارلیمانی جمہوریت کی حکومت ہے۔ اب فیصلہ آپ کی صوابدید پر ہے کہ کیا حکومت امن وامان قائم کرنے میں قائم ہورہی ہے؟ کیا عوام میں غیر یقینی کی صورت حال بدستور موجود نہیں ہے؟ کیا ہر شخص کی جان ومال اور عزت محفوظ ہے؟ کیا انصاف جو کسی حکومت کی اولین ذمہ داری ہوتی ہے عوام کو میسر ہے؟ ابھی حالیہ خوفناک جمہوری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مینڈیٹ کا آغاز ہے ابھی چار سال کا طویل عرصہ منتظر ہے۔

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا　　آگے آگے دیکھیئے ہوتا ہے کیا

زیادہ سے زیادہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ حکومت کی کوشش ہے کہ ملک میں ہر قیمت پر امن قائم ہو، دوسری طرف جمہوریت کی آبیاری کیلئے کچھ اقدامات سامنے آئے ہیں جن سے جاگیردارانہ سیاست کو زد پہنچتی ہے، لیکن اندیشہ اقبال تو ابھی موجود ہے کہ یہ سرمایہ داروں اور کارخانہ داروں کی جنگ زرگری ہی ثابت نہ ہو۔ بیوروکریسی سرگرم عمل دکھائی دیتی ہے، پھر ہمارے یہاں ایک بہت بری روایت بھی ہے کہ حزب اختلاف قومی معاملات میں بھی حکومت کے ساتھ نہیں بیٹھتی جو بلاشبہ ایک غیر جمہوری رویہ ہے۔ اور اگر یہ رویہ بار بار سیاسی اور جمہوری پارٹیوں کی طرف سے موصول ہو تو اس کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ وطن عزیز میں مغربی جمہوریت ناکام ہوچکی ہے۔ اب یا تو جمہوریت کو اس کی تمام تر خامیوں سے پاک کرکے اسے حلقہ بگوش اسلام کیا جائے جو بظاہر ناممکن دکھائی دیتا ہے یا پھر اس ملک کو اس کے بوجھ سے آزاد کرکے خالص " خلافت راشدہ " کا نظام رائج کیا جائے۔ یوں بھی یہ وعدہ حکمران جماعت کے انتخابی منشور کا حصہ چلا آرہا ہے۔

حواشی و تعلیقات

(۱). محمد حنیف ندوی، مولانا، اساسیات اسلام، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، 1973، ص 205

(۲). خلیفہ عبدالحکیم، ڈاکٹر، فکر اقبال، بزم اقبال، لاہور، طبع ہفتم جولائی 1992، ص 215

(۳). اردو انسائیکوپیڈیا، فیروزسنز، لاہور، تیسرا ایڈیشن 1984، ص 503

(۴). محمد فاروق قریشی، پاکستان میں جمہوریت کا زوال، مکتبہ فکرودانش، من ندارد، ص 503

(۵). فکر اقبال، ص 215۔ (۶). جمیل جالبی، ڈاکٹر (___)، قومی انگریزی لغت، قومی زبان، اسلام آباد، طبع سوم 1996، ص 544۔ (۷). شبلی نعمانی، مولانا، الفاروق، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، سن ندارد، ص 188۔ (۸). ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا سولہواں صدر (1861 - 1865) سٹور کیپر، پوسٹ ماسٹر اور بعدازاں فوجی ملازمت سے زندگی کا آغاز کیا۔ 1838ء میں وکالت قانون کا امتحان پاس کیا۔ 1834ء سے 1842ء ریاستی مجلس آئین ساز کارکن رہا۔ 1842ء میں کانگرس کارکن منتخب ہوا۔ 1861 میں ری پبلکس پارٹی کے ٹکٹ پر صدر چنا گیا۔ یکم جنوری 1863ء کو ملک سے غلامی کا خاتمہ کردیا۔ 4 اپریل 1865ء کو فورڈز تھیٹر میں ڈراما دیکھ رہا تھا کہ اداکار جان لکس یوتو نے گولی مار کر ہلاک کردیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(اردو انسائیکوپیڈیا، ص 871)۔ (۹). ابوالفتح محمد صغیر الدین، ڈاکٹر، " جمہوریت اور اسلام "
ماہنامہ بینات، کراچی، جلد نمبر52، شمارہ نمبرا محرم الحرام ۱۴۱۰ھ مطابق ستمبر1989ء ص 37۔
(۱۰)(۱۱). تحسین فراقی، ڈاکٹر، " مغربی جمہوریت اہل مغرب کی نظر میں "، مرکز تحقیق دیال سنگھ
ٹرسٹ، لاہور، 1983ء، ص 3۔ (۱۲). زبیررانا، " پوری دنیا میں جمہوریت کہیں نہیں ہے "
(مضمون) روزنامہ جنگ، کراچی، جمعہ ایڈیشن، مورخہ 29 جولائی 1988ء۔
(۱۳). پاکستان میں جمہوریت کا زوال، ص (۱۴). ول ڈیورانٹ، نشاط فلسفہ ترجمہ ڈاکٹر
محمد اجمل، مکتبہ خاور، لاہور، طبع اول، 1966ء، ص 476۔ (۱۵). فکر اقبال، ص 218۔
(۱۶). محمد اقبال، ڈاکٹر، بانگ درا، الفیصل ناشران و تاجران، لاہور، جون 1991ء، ص 201۔
(۱۷). مودودی، مولانا، تحریک آزادی ہند اور مسلمان، حصہ اول، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور،
اشاعت گیارہویں، دسمبر 1984ء، ص 270۔ (۱۸). تھامسن کارلائل (1795 - 1881) ہیرو پرست
انگریز مصنف سکاٹ لینڈ میں پیدا ہوا۔ ایڈنبرا یونیورسٹی سے تعلیم پائی، جرمن زبان وادب کا ماہر۔
1837ء تاریخ انقلاب فرانس لکھی، جو بہت مقبول ہوئی۔ کارلائل نے حضور کی سوانح بھی لکھی۔
(انسائیکوپیڈیا ص 771)۔ (۱۹). نشاط فلسفہ، ص 473، (۲۰). ایضاً، ص 474۔
(۲۱). بانگ درا، ص 154۔ (۲۲). مودودی، مولانا، ترجمان القرآن، لاہور، جلد نمبر 44، عدد 6۔
(۲۳). ایضاً۔ (۲۴). صفدر محمود، ڈاکٹر، پاکستان تاریخ وسیاست، جنگ پبلیکیشنز لاہور، اشاعت
چہارم، اگست 1992ء، ص (۲۵). ________ (۲۶). سورۃ المائدہ، آیت 3۔
(۲۷). سورۃ الاحزاب، آیت 21، (۲۸). سورۃ النساء، آیت 58،
(۲۹). سورۃ سجدہ، آیت 18۔ (۳۰). سورۃ زمر، آیت 9۔ (۳۱). سورۃ رعد، آیت 16۔
(۳۲). سورۃ مائدہ، آیت 100۔ (۳۳). نشاط فلسفہ، ص 469۔ (۳۴). سورۃ النور، آیت 55۔
(۳۵). سورۃ یوسف، آیت 40۔ (۳۶). سورۃ آل عمران، آیت 154۔
(۳۷). محمد بن سعد، علامہ، طبقات ابن سعد، مترجم عبداللہ العمادی، نفیس اکیڈمی، کراچی، طبع
سوم، جنوری 1980ء، ص 53۔ (۳۸). جناب پرویز صاحب شاہکار رسالت، ادارہ طلوع
اسلام لاہور، چوتھا ایڈیشن 1987ء ص 295۔ (۳۹). الفاروق، ص 188۔
(۴۰). محمد حسین ہیکل، عمر فاروق اعظم، ترجمہ حبیب اشعر، مکتبہ میری لائبریری، لاہور، بار ہشتم
1986ء، ص 590۔ (۴۱). ایضاً۔ (۴۲). شاہکار رسالت، ص 218 کتاب مذکور کے اسی صفحہ نمبر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

218 پر حضرت عمرؓ کا وہ خط بھی موجود ہے جو آپ نے عبدالرحمن کی سزا کے ذکر میں حاکم مصر عیاض بن غنم کو لکھا تھا۔ خط کے ایک ایک لفظ سے عدالت عمر کا جلال ٹپکتا ہے۔ مذکورہ خط " حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط " مرتبہ ڈاکٹر خورشید احمد فاروق کے صفحہ 124 پر بھی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ اس مجموعہ کو محمد علی خان دیوان نے کراچی سے مارچ 1979ء میں شائع کیا۔ محولہ بالا واقعہ کا ذکر جناب محمد حسین ھیکل نے اپنی تصنیف " عمرفاروق اعظم " کے ص 610 پر بھی ہے۔

(۴۳). الفاروق، ص 199۔ (۴۴). ایضاً، ص 200۔ (۴۵). بانگ درا، ص 201۔

(۴۶). محمد اقبال، ڈاکٹر، ضرب کلیم، مقبول اکیڈمی، لاہور، 1991ء ص ا (۴۷). محمد اقبال، ڈاکٹر، دیباچہ پیام شوق، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، طبع اول 1991ء، ص 9۔

(۴۸). ایضاً، ص 248۔ (۴۹). سورۃ الاعراف، آیت 8۔ (۵۰). سورۃ الاعراف، ایت 9

(۵۱). ول ڈیورانٹ، واستان فلسفہ، ترجمہ سید عابد علی، مکتبہ ______، لاہور، ص 44۔ (بحوالہ ڈاکٹر وحید قریشی، اقبال اور جمہوریت، مجلہ اقبالیات، جلد نمبر 26۔ نمبر 4 (جنوری تا جون 1986 ص 114)۔ (۵۲). نشاط فلسفہ، ص 101۔ (۵۳). سورۃ شوریٰ، آیت 38۔

(۵۴). سورۃ آل عمران، آیت 38۔ (۵۵). سورۃ نحل، آیت 43۔

(۵۶). الفاروق، ص 189۔ (۵۷). حامد انصاری، مولانا، اسلام کا نظام حکومت، الفصیل پبلیکشنگ کمپنی، لاہور، من ندارد۔ (۵۸). عبدالرحمن کیلانی مولانا، خلافت وجمہوریت، مکتبہ السلام، لاہور، طبع سوم 1992ء۔ (۵۹). مودودی، مولانا، اسلامی ریاست، اسلامک پبلیکشنز، لاہور (مرتبہ خرم مراد مرحوم) ایڈیٹر ماہنامہ ترجمان القرآن)۔ (۶۰). پاکستان تاریخ وسیاست، ص 276۔

(۶۱). ایضاً، ص 261۔ (۶۲). فکر اقبال، ص 218۔ (۶۳). احمد سعید (مرتب) گفتار قائد اعظم، قومی کمیشن برائے تحقیق تاریخ وثقافت، اسلام آباد، طبع اول، جون 1976، ص 2۔

(۶۴). ایضاً، ص 261۔ (۶۵). پاکستان تاریخ وسیاست، ص 291۔ (۶۵). ایضاً۔

(۶۶). ایضاً، ص 311۔

(۶۷). ایضاً

(۶۸). ایضاً۔ (۶۹). ایضاً۔

(۷۰). ایضاً، ص 312۔

© rasailojaraid.com